بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ساہوکارانہ سامراج نے غلامی کی ایک تازہ زنجیر ہماری گردنوں کے گرد لپیٹنے کا فیصلہ کرلیا ہے، بلکہ حکومت کو منوا کر عملی اقدام بھی شروع کرا دیا ہے۔ ہماری جمہوریت نے اِس کارِ خیر پر اپنے معزز و مؤقر غلام سازوں کے ہاتھ پاؤں چوم کر بہ صد تشکر قوم کی گیارہ کروڑ گردنیں آقائے عظیم کے سامنے جھکا دی ہیں کہ ان گردنوں کے گرد جو پھندا بھی کسنا ہو اور جو نشتر بھی رگہائے جان کے قریب فٹ کرنے ہوں، کر لیجیے۔ "گولی کس کی اور گہنے کس کے!" (یعنی کنیز بھی آپ کی اور گہنے بھی آپ کے!) بلکہ گہنوں کی جگہ آپ طوق بھی پہنا دیں تو کنیز تو پھر بھی بصد ادب آپ کی سلامتی کی دُعائیں کرے گی۔ "تم سلامت رہو ہزار برس - ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

ہم اِس درجے کے بے مثال محسن شناس ہیں۔

ہوا یہ کہ اوپر کی دُنیا میں جہاں پُراسراریت کے بادل چھائے رہتے ہیں، وہاں ہمارے بڑوں اور اُن کے بڑوں کے درمیان بات چیت پاکستان کے تعلیمی حالات پر ہوئی۔ خرابیٔ احوال کے مختلف نمایاں پہلو بحث میں آئے۔ ہمارے جدید غلام ساز تو پہلے سے منصوبے ذہن میں لے کر آئے تھے۔ یہاں اُنھوں نے محض تعلیمی زوال اور پسماندگی کی بحث چھیڑی - ہمارے جمہوری مالکوں نے ساہوکار سامراجیوں سے یہ کہا کہ کچھ آپ ہی اس بارے میں جائزہ و تحقیق سے کام لے کر نقشۂ اصلاح تجویز کر دیجیے، ہم لوگ تو اور بہت اعلیٰ درجے کے جھمیلوں میں گلے گلے تک دھنسے ہوئے ہیں - اور ہمیں تو اس ایک کام سے فرصت نہیں کہ اپنے آپ کو اور اپنے جاہ و جلالت کو بچایا جائے۔

اِس طرح ورلڈ بنک کی ڈیوٹی لگی کہ وہ پاکستان کے تعلیمی حالات کا سروے کرے۔ ورلڈ بنک نے کام کی وسعت کو دیکھ کر اپنے ساتھ آئی، ایم، ایف کو بھی لگا لیا جسے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ کہتے ہیں۔ دونوں "امریکی۔مغربی۔اسرائیلی" سامراج کے چینتے کے اگلے دو پنجے ہیں۔ سامراج کی مہارتِ فن ہے کہ ان بنکوں کو تعلیمی جائزے اور سروے اور تجاویزِ اصلاح مرتب کرنے کی دعوت خود ہماری حکومت کی طرف سے دلوائی گئی۔ فروری، مارچ ۸۹ء میں یہ کام ہوا۔ پنجاب کے اندر سروے کا کام خود ورلڈ بنک نے کیا۔ اور پنجاب سے باہر کے پاکستان میں آئی۔ ایم۔ ایف نے کیا۔ اِس تقسیم میں بھی ایک خاص ذہنیت کام کر رہی ہے اور وہ پنجاب کی حیثیت کو جداگانہ نوعیت دیتے ہیں، کیونکہ یہ تو ہمیشہ سے پکا پاکستان رہا ہے۔ اور وہ یہیں کے تعلیمی دروبست کی توڑ پھوڑ کو زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔

خاموشی ہی خاموشی میں پورے مُلک کا تعلیمی جائزہ لے لیا گیا۔ اور دونوں بنکوں کے یہودی اس سارے منصوبے کو چلاتے اور ایک خاص شکل دینے والے تھے۔ سروے ٹیمیں بالکل سی، آئی ڈی کی طرح بعض تعلیمی اکابر سے ملیں، اساتذہ سے رائیں لیں، طلبہ سے اُن کے تاثرات جمع کئے۔

اور پھر غور و فکر کے بعد ۶۲ صفحات کی ایک رپورٹ جس کا ظاہری عنوان ۔۔۔ (A DISCUSSION REPORT) ہے۔ دراصل ایک لطیف طرز کا حکم نامہ ہے اور ایسا مقدس حکم نامہ ہے کہ ہمارے ہاں نیّت کے لحاظ سے انگوٹھا لگا دیا گیا ہے، البتہ ظاہر میں کچھ ورکنگ نوٹس مرتب کر کے بیوروکریسی اور اربابِ تعلیم کو تھما دیئے گئے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ یہ نوٹس حرفِ آخر ہیں۔ چنانچہ اس کے مطابق تدریجاً عمل شروع ہو گیا ہے۔

آگے چل کر آپ پر کھلے گا کہ علامہ اقبالؒ، قائداعظمؒ اور مولانا مودودیؒ نے خون جلا جلا کر اور جانیں گھلا گھلا کر اسلام، پاکستان، نظریۂ پاکستان، اسلامی قومیّت تصوّرِ ملّت، احیائے نظامِ اسلامی، ایمانیات و تصورات اور بہ حیثیت قومی زبان

کے اُردو کا جو خزانہ ہمیں دیا تھا، وہ تو زیرِ بحث اسکیم کے پنجے میں ملیامیٹ ہوا جارہا ہے۔

اب تک ہمارے ساہوکارانہ سامراج نے ہمیں کٹھ پتلیاں بنا کر خارجہ پالیسیوں میں مداخلت شروع کی تھی، کچھ مالیات اور ٹیکسوں کے نظام کو بگاڑا، موجودہ بدترین جمہوریت اور حکمران پارٹی کے تحفظ کے لیے سازشوں کے جال بچھائے، موجودہ جمہوریت کو توڑنے کی صورت میں قرضوں اور امدادوں کی بندش کا ٹھینگا دکھایا گیا۔ اب تعلیم کو ہدف بنا لیا گیا ہے۔ دَورِ حاضر کے فراعنہ نے تعلیم کے حربے سے مقصد برآری کا راستہ نکالا ہے۔

یہ تو معروف و معلوم حقیقت ہے کہ پاکستانی راہوارِ اقتدار سے صدر ضیاء الحق کی نعش اُتارنے کے بعد اس راہوار کی زین پر کس طاقت نے کس کٹھ پتلی کو ہم سب کی دیکھتی آنکھوں کے سامنے بٹھایا۔ پھر مسلسل رکاب تھام کر سہارا دیا۔ عالمی پروپیگنڈے اور ڈپلومیسی کی طاقتوں سے امیج بنایا۔ پھر یہاں امریکی سفارت خانہ علی الاعلان پالیسیوں احکام اور قوانین کے متعلق رہنمائی دیتا رہا۔ امریکہ سے آنے والے وزرا اور ایلچی اور سینیٹر ہر بار پاکستان کے معاملاتِ خارجہ (خصوصاً بھارت سے تعلقات) کے متعلق رہنمائی بلکہ انتباہات تک دیتے رہے ہیں۔ گویا کہ ہمارے اصل حکمران وہ ہیں۔ ہماری یہ حیثیت نہیں کہ ہمارے لیڈر یا جماعتیں یا اخبارات ان مداخلت کاروں کے تجاوز عن الحدود پر شدید گرفت کریں اور تقاضا کریں کہ ایک آزاد قوم کے ساتھ اپنے طرزِ معاملہ کو درست کریں، ورنہ اپنی تشریفات اور عنایات سے ہماری جان بخشی کریں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اب نظامِ تعلیم کی رگِ گلو پر چھری رکھ دی گئی ہے۔

کسی قوم کا نظامِ تعلیم اس کے مجموعی نظامِ حیات کا گویا دل و دماغ ہوتا ہے جس کا پہلا کام ایمان و اخلاق اور قوم کے تہذیبی وجود، مخصوص ملّی تشخص، تاریخی عزم وغیرہ

نظامِ اقدار و شعائر کے سرمائے نئی نسلوں تک پہنچانا، اور اس کے مطابق نصب العین ودلیعت کرنا ہوتا ہے۔ اور نصب العین ہی کی خدمت کے لیے ایک طرف معاشی تگ و تاز انسانی زندگی میں ضروری ہے، دوسری طرف دفاعی قوتوں کی تنظیم اور تیاری کا کام، تیسری طرف علومِ انسانی اور علومِ مادی دونوں میں اس نقطۂ نظر سے ترقی کہ دوسری اقوام سے مسابقت کرتے ہیں پسپائی نہ ہونے پائے اور پہلے سے اگر کوئی کمزوری موجود ہو تو وہ جلد رفع کر لی جائے۔ کیونکہ اب معیشت اور دفاع دونوں کا انحصار علومِ ایمانی، علومِ انسانی اور علومِ مادی کی ہم آہنگ اور متوازی ترقی پر ہے۔

اب ہمارے غلام ساز ساہوکارانہ امریکی سامراج نے یہودیوں کے تعاون سے ایک ایسا قدم اُٹھایا ہے کہ ہماری قومی زندگی کے دل و دماغ کی مرکزی قوت مادی ترقی کے نام سے اغیار کے ہاتھوں میں چلی جائے اور اس کے ایمانی و انسانی پہلو کا غوب اچھی طرح کچومر نکال دیا جائے۔ تاکہ فنڈا منٹلزم کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، جو سامراجی طاقتوں اور لادین تہذیبوں کے فروغ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ اِس وقت (میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ) لادین مادہ پرستی کی نگاہ میں پاکستان وہ سب سے زیادہ خطرناک (SPOT) ہے جہاں سے فنڈامنٹلزم کی وہ طوفانی قوت اُٹھ سکتی ہے جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ وہ مولے کو شہباز سے لڑا دیتی ہے اور ہاتھیوں کو ننھی ننھی چیونٹیاں تڑپا دیتی ہیں۔

وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مغربی الحاد، فسق و فجور، بے حیائی، بدکاری، شراب و قمار، خیانت وغیرہ سب کچھ پھیلے مگر کسی میں اسلام کے لیے اتنا مؤثر جذبہ باقی نہ رہے کہ احتجاج اور ملامت کی کوئی تحریک اُٹھ سکے۔ بلکہ حرام و حلال کے تمیز کے بغیر یہ قوم سب کچھ ہضم کرتی جائے اور پھر نشے میں آکر کہے کہ ہم ترقی کر رہے ہیں — شاہت الوجوہ !!

دنیا میں کوئی ایسی احمق قوم موجود نہیں ہے جو اپنا نظامِ تعلیم دوسروں سے بنواتی ہو۔ مثلاً جیسے جننگ فیکٹری لگانے کے لیے آپ برطانیہ یا جرمنی یا جاپان کو آرڈر دیتے

ہیں اور وہ مطلوبہ نقشے اور معیارِ کارکردگی کی مشینری فراہم کر دیتے ہیں۔ تعلیم اس طرح دوسرے کے ہاں کارخانوں میں نہیں بنوائی جاتی۔ یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو "من چہ سرائم و طنبورۂ من چہ سرائد" والی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس رپورٹ (یا حکم نامے) میں مرکزی بات یہ ہے کہ تعلیم کے سامنے اصل مسئلہ "کوالٹی" کا ہے۔ اور کوالٹی کی تشریح خالص مادی معنوں میں یہ کی گئی ہے کہ معاشی و ٹکنیکل ترقی کی صلاحیت کا مطلوبہ معیار تک موجود ہونا۔ ساری تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ ہوگا۔ باقی تمام مضامین اور مواد سب بے کار ہے۔ نظریۂ پاکستان، اسلامی تعلیمات، قرآن، حدیث، سیرت، تاریخ انبیاء، تاریخ اسلام، تاریخ ملت، اُردو زبان، سب کچھ کوالٹی کی تعریف سے خارج ہے۔ اس قسم کی چیزیں "ہائیر ایجوکیشن" (جس سے رپورٹ اصل بحث کرتی ہے) سے نیچے ہی نیچے رہ جانی چاہئیں۔ یعنی درجہ وسطانی میں میٹرک کے ساتھ ایف اے کی تعلیم کو ملا کر ان لوگوں کو فارغ کر دیا جائے جنھیں چپڑاسی، کلرک، عرضی نویس، امام مسجد، پرائمری ٹیچر، ترکھان، کمہار، خوانچہ فروش، تیلی تنبولی، ٹائپسٹ یا آرٹسٹ بننا ہے۔ رہی اعلیٰ تعلیم جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جائے گی، جہاں سے ملک کے حکمران، لیڈر، دانش ور، سائنس دان، انجینیر، ڈاکٹر، بیوروکریٹس، فوجی کمانڈر اور اعلیٰ درجے کے اہلِ تحقیق تیار ہو کر نکلیں گے، ان کے نصاب ہر اُس چیز سے پاک ہوں گے جو "کوالٹی" کے معیارِ برتر کے حصول میں خلل انداز ہوں۔ گویا لفظ "کوالٹی" اپنی مخصوص تشریح کے ساتھ ایک کلیدی اصطلاح ہے اور ساری بحث کو سمجھنے کے لیے اس کو مرکزی نقطے کے طور پر سامنے رکھنا ضروری ہے۔

یعنی ہمارا نظامِ تعلیم خالص معاشی حیوان اور ٹکنیکی روبوٹ پیدا کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ اور قدرتی بات ہے کہ جب اعلیٰ تعلیم اس طرح کی ہوگی تو قدرتی طور پر نیچے سے تیاری اسی طرز کی ہوگی تاکہ نیچے سے آنے والا طالب علم ترقی کی راہ پر تیز قدم چل سکے۔

مشہور مثل ہے کہ خانہ خالی را دیو می گیرد۔ آپ نے اپنے نظامِ زندگی اور

نظامِ حکومت کی طرح نظامِ تعلیم کو بھی مقصد اور نصب العین سے خالی رکھا۔ نتیجہ یہ کہ طالب علم سندوں کے ساتھ ذہنی خلا اور فرسٹریشن لے کے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلتے رہے۔ بار بار پالیسیاں بنیں اور نصابی نقشے بنے، نصابی کتابیں لکھوائی گئیں۔ بعض میں ترامیم و اصلاحات کرائی گئیں، لیکن ماحصل کیا ہے۔ نظریے کا فقدان، مقصد کا خلا اور نصب العین سے محرومی۔

ایسے نظامِ تعلیم سے نکلی ہوئی نسلوں کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح وحدت کے بجائے انتشار کی طرف اور امن کے بجائے خونخواری کی طرف، اور پابندیٔ قانون کے بجائے اپنی قوت کو بنائے قانون بنانے کی طرف اور دینی حدود اور تہذیبی قیود کا احترام کرنے کے بجائے ان کو توڑ کر مخالفانہ اطوار اپنانے کی طرف جا رہے ہیں اور اس رویے پر فخر محسوس کرتے ہیں، وہ اسے ترقی کہتے ہیں، مگر سخت درجہ کے ذہنی بحران میں مبتلا ہیں۔ اور اسی وجہ سے حکمرانوں اور منتخب نمائندوں اور لیڈروں اور عہدہ داروں اور دانش وروں میں بھی اخلاقی پستی نمایاں ہے۔ اور ہم بہ حیثیت نظریاتی و تہذیبی گروہ کے ایک ڈوبتے جہاز کی طرح آہستہ آہستہ نیچے جا رہے ہیں۔ اس وقت ہمیں حضرت الیاسؑ جیسے رہنما اور حضرت نوحؑ جیسا سفینہ درکار ہے۔

اتنے بڑے اہم کام اور تعلیم جیسے نہروکن ادارے کے مطالعہ اور اس کی کمزوریوں کو نشان زد کرنے اور اس کے لیے اصلاحات تجویز کرنے کی ذمہ داری کسی پہ ڈالتے ہوئے جمہوریت کی نیلم پری کو یہ خیال کیوں نہ آیا کہ پوری قوم کے اس بنیادی مسئلے کو جس کے لیے قرارداد مقاصد میں واضح خطوط بتائے گئے ہیں اور جو ہر قوم کی طرح ہمارے دین اور ہماری تہذیب سے تعلق رکھتا ہے، اسے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اولاً وفاقی ایوان میں لایا جائے کہ حکومت یہ کام یوں کرنا چاہتی ہے۔ پھر اسمبلی سے نکل کر یہ بحث اخبارات، اداروں اور اساتذہ اور علماء تک پہنچنی چاہیے تھی۔ بعدازاں ردِعمل دیکھ کر کوئی فیصلہ کیا جاتا۔

مگر ہمارے ہاں ایک انوکھی جمہوریت گلوٹین بن کر مسلط ہو گئی ہے۔ یہ جمہوریت بس اتنی ہے کہ کوئی پارٹی بطور حکمران منتخب ہو جائے یا کوئی فرد یا (بصورتِ موجودہ) کوئی عورت وزیراعظم بن جائے۔ اس کے بعد وزیراعظم یا اُس کی پارٹی جب جو جی چاہے کرتی رہے، نہ ایوان سے پوچھنے کی ضرورت، نہ رائے عام کے سامنے اشد اہمیت تک کے مسائل لے جانے کی حاجت۔ چاہے کسی سے کوئی لین دین ہو جائے یا کوئی معاہدہ ہو جائے یا قوم کے کسی مسئلے کے حل کی ذمہ داری خود اس کے نظریاتی مخالفین کے سپرد کر دی جائے، یا تجارتی یا جنگی یا کسی اور معاملے میں دوست یا دشمن طاقت کے لیے حکومت کی کوئی سی پالیسی نافذ ہو جائے، کسی کو حق نہیں کہ آواز بلند کرے۔ کیونکہ ایک دفعہ جب کسی کو ووٹوں کے بل پر اقتدار مل گیا تو پھر جو چاہے وہ کرے۔ یعنی ایک بار ووٹوں سے جو تخت پر بیٹھ گیا وہ ظل اللہ ہے، چنگیز ہے، ہلاکو ہے، نمرود ہے، شداد ہے، الامان والحفیظ! کیا یہ مارشل لا سے بدتر نہیں؟

آخر ہمارے ساتھ یہ مذاق کیوں روا رکھا جا رہا ہے کہ ورلڈ بنک سے خفیہ طور پر سرگوشیوں میں ایک معاملہ طے ہوتا ہے، ذمہ داری سونپی جاتی ہے، رپورٹ بنتی ہے۔ اُسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ بس اچانک یہ بات سراپردۂ راز سے باہر نکل آتی ہے کہ اندر کھیا میں گڑ پھوڑا گیا ہے۔

یہ جمہوریت نہیں ہے۔ یہ آمریت ہے۔ فسطائیت ہے۔ ہٹلر ازم ہے۔ جو لوگ اس جمہوریت کا نام آنے پر انگوٹھے چومتے پھرتے ہیں، انہیں اتنا علم نہیں ہو سکا کہ اندر کے مارشل لا سے تو آپ محفوظ ہیں، مگر دشمنوں کی غیر مرئی سامراجیت جمہوریت کے پردۂ رنگین کی آڑ میں آپ کو جو ناکوں چنے چبوا رہی ہے اور صہیونیوں اور بھارتیوں کے منشا کے مطابق آپ کی نظریاتی و دینی تباہی کے جو سامان کر رہی ہے، بلکہ آپ کو معاشی و صنعتی دیوالیہ پن کی طرف بھی لے جا رہی ہے۔ وہ آپ کو اس لیے پیاری ہے کہ اس نے جمہوریت کے ایک ڈرامے کا انتظام ہمارے لیے کر دیا ہے اور ہمارے سیاسی "ڈزنی لینڈ" کے اس ڈرامے کے پیچھے ساری نقشہ گری ان کی ہے۔ یہ مارشل لا

سے دس گنا بدتر صورتِ حالات ہے۔ یہ مارشل لا سے بھی اوپر کا مارشل لا ہے۔ اور یہاں سیاسی موذن، صحافتی بانگیے اور دانش ور منادیئے چاروں طرف پکارتے پھرتے ہیں کہ جمہوریت اگر ملک کی ساری دولت کو دریا برد کر دے، اگر اقتصادیات کو تباہ کر دے، اگر اخلاق و شائستگی کو غارت کر دے، اگر قدم قدم پر لہو کی ندیاں بہانے کے سامان کر دے۔ اگر وہ رعایا کے زن و بچہ کو کولھو میں پیل دے، اگر وہ خارجہ پالیسی کی مارکیٹ میں پاکستان کی قدر و قیمت گرا کر اسے ذلیل کر دے بلکہ اگر وہ بین الاقوامی دارالرقیق (غلام فروشی کی منڈی) میں ساری قوم کو بیچ دے تب بھی اس کی جوتیوں کو چومنا چاہیے۔ افسوس ہے کہ جن مسلمانوں نے اپنے دین کے متعلق ایسی والہیت کبھی نہیں دکھائی، وہ موجودہ مکروہ جمہوریت کو تو گویا پوجنے کے لیے تیار ہیں۔ کیا خدا اور رسولؐ کے لیے بھی ایسی فریفتگی کا کوئی مظاہرہ آپ کر سکے۔

۲۔ جائزۂ تعلیم اور نقشۂ اصلاح کا کام اگر کرنا ہی تھا تو کیا اس ملک میں دس بیس افراد ایسے نہ تھے جو علم و تجربہ کی قوتوں سے کام لے کر اس خدمت کو انجام دیتے اور اس معاوضہ (زرِ مبادلہ) کی رقم کو بچایا جا سکتا تھا کہ بیرونی بنکوں کے وفودِ ماہرین کو ادا کی گئی۔ اور ملک کو اس خطرے سے بچایا جا سکتا تھا کہ صلیبی اور صہیونی طاقتیں ہمارے معاشرے کی گہرائیوں میں اتر کر نہ صرف رپورٹ مرتب کریں بلکہ ساتھ ہی جاسوسی کا فریضہ از خود انجام پا گیا۔

گویا ہم نے دنیا کے سامنے ایک تو یہ اعلان کیا کہ ہمارے پاس محض دس بیس ماہرینِ تعلیم بھی ایسے نہیں ہیں کہ جن کی مدد سے ہم تعلیمی خرابیٔ احوال کا جائزہ لے سکیں اور اصلاح و ترقی کی اسکیم بنا سکیں۔

دوسرے یہ کہ ہم نے دنیا کو اپنی یہ کمزوری بھی دکھا دی کہ ہمارے ملک اور شعبوں اور اداروں کے ماہر مشیر (بلکہ کارپرداز) غیر پاکستانی، سامراجی عناصر ہیں۔

۳۔ ہم یہ بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا تعلیم ایسا لباس ہے کہ جو ایک ہی ساخت کا ہوتے ہوئے ہر قوم کو فِٹ آ سکے ۔ بلالحاظ اس کے کہ اس کا قد و قامت کیا ہے؟

اس کی اُمنگیں کیا ہیں ؟ اس کا نظریہ تعلیم، درِ مقصدِ تعلیم کیا؟ کون سے اجزا و عناصر ہیں جن کا تعلیم سے خارج ہو جانا یا کمزور ہو جانا کسی قوم کے لیے تباہ کُن ہو سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میرے لیے قرآن کا مفہوم سمجھانے کو ورلڈ بنک یا بین الاقوامی ترقیاتی بنک آکے درس دے؟ کیا یہ قرینِ قیاس ہے کہ تحریکِ پاکستان کی رُوح اور اس کے مقصد اور اس کی مزاحم قوتوں کے متعلق انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ کی ٹیم آکر مجھے بتائے کہ اس دائرے میں مجھے کیا کرنا چاہیے یا کیا نہیں ؟

آزادی سے پہلے بھی ہماری تقدیر باہر سے بن کر آتی تھی، اب بھی اگر ہماری تقدیر باہر ہی سے طے ہو کر آئے تو آخر فرق کیا ہوا۔ پہلے دَورِ غلامی کے خلاف تو سیاسی تحریکیں تھیں، ایجی ٹیشن تھا، سول نافرمانی تھی۔ پورا ادب چیخ رہا تھا، مذہبی اداروں سے صدائے اختلاف و احتجاج، بلکہ نفیرِ جہاد تک بلند ہو رہی تھی۔ لیکن موجودہ آسیبی غلامی کو اوّل تو غلامی سمجھنا مشکل، پھر جس غلامی کو جمہوری حکومت کمالِ آزادی سمجھتی ہو، اس کے خلاف تحریکیں کیا اُٹھیں۔ ہم ان نئی زنجیروں کو توڑنا چاہتے ہیں۔ مگر ہمارے اکابر یہ زنجیریں ہمیں پہناتے دلپسند ہیں۔ گویا جمہوریت کا اصرار ہے کہ غلامی کر لو۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم غلامی پر لعنت بھیجیں ــــــ خواہ وہ اندر کی فسطائیت کی ہو، یا بیرونی سامراجیت کی۔

۴ ۔معلوم ہوا ہے کہ اس رپورٹ پر شرط پوری کرنے کے لیے چند سیمینار بھی کرائے گئے ہیں جو خفیہ نوعیت کے تھے۔ یعنی اپنے خاص خاص آدمیوں کو کسی ہال میں جمع کر کے باتیں کر کرا لی گئیں۔ قری بینوں کی طرح نہ کوئی اخباری اعلان، نہ تفصیلی رپورٹ۔ سوال یہ ہے کہ اس اخفا کی ضرورت کیا تھی اور جمہوریت کے پردے کے پیچھے بیٹھ کر خفیہ سرگوشیاں کرنا کیا جمہوریت کا نقیض نہیں ہے۔ ایک پبلک مسئلہ تھا۔ آپ اُسے پبلک میں لاتے، تمام سیاسی جماعتوں اور دینی اداروں اور علمی مراکز کو بھیجتے اخبارات کو پہنچاتے، بڑے شہروں میں اعلان کردہ سیمینار خود بھی منعقد کرتے، اور دوسروں کو بھی اس کا موقع دیتے۔ بیانات اور قراردادیں شائع ہوتیں، اساتذہ سے

پوچھا جاتا، پھر آپ اُسے وفاقی ایوان کے سامنے مشورے کے لیے رکھتے، اس کے بعد فضا کا مجموعی رنگ دیکھ کر آپ فیصلہ کرتے کہ یہ قدم اُٹھانا چاہیے یا نہیں۔

آخر یہ کون سی جمہوریت ہے کہ اخفا کا ایک جزیرہ آپ نے الگ بنا لیا ہے، اس جزیرے سے باہر کسی کو خبر ہی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے، اور اندر وہ فیصلے ہو رہے ہیں کہ قوم کی پوری زندگی تلپٹ ہو جائے اور اس کے اہم ترین اداروں کا نقشہ بدل جائے۔

ہم اس نظامِ اخفا کو مُلک کے لیے نہایت خطرناک، نہایت مہلک اور نہایت تباہ کُن سمجھتے ہیں۔ اور اس کی خطرناکی میں اس بات سے اور اضافہ ہو جاتا ہے کہ یہ جمہوریت کے نام سے ہو۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ اس اِخفائی بیٹھک الوجی کو اور بھی کئی اہم اُمور میں بہت ہی تباہ کن انداز سے استعمال کیا گیا ہے۔

۵ — آخر میں اس رپورٹ کے "سگنلز" کو قبول کرتے ہوئے جو ڈائریکٹو جاری کیا گیا ہے اور جس کے تحت درس گاہوں کی ایک خاص تعداد میں اوّلین مرحلے میں آزاد کر دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اسے کیوں وفاقی ایوان میں باقاعدہ منظوری کے لیے پیش نہیں کیا گیا۔ اور ایسی جلدی بھی کیا تھی کہ سارا اقدام ایک طرح کے آرڈی ننسی سسٹم پر ہو جائے اور کوئی سوال، اعتراض یا اختلاف رُونما نہ ہو۔ کیا واشنگٹن سے آنے والی ہدایات (چاہے رپورٹوں کی شکل میں ہوں) وحی و الہام ہیں کہ اُن کے لیے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہنے کے علاوہ کوئی اور رویہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

واضح رہے کہ دس سال میں حکومت تمام تعلیمی اداروں کو گھر سے نکال باہر کرے گی کہ میاں جاؤ، اپنے لیے خود کماؤ اور کھاؤ۔ اماں باوا کی روٹیاں کہاں تک توڑو گے۔ پہلی اطلاع یہ تھی کہ صرف پنجاب میں پہلے مرحلے میں ۹ اعلیٰ ترین مراکزِ تعلیم اور ۱۳ معیاری اسکولز کو حکومت گود سے نکال کر باہر پھینک دے گی۔ دلچسپ بات یہ کہ حسبِ رسم ایک نمائشی تردیدی بیان بھی پنجاب میں نکلا۔ مگر اب تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ محکمہ تعلیم پنجاب کے سیکرٹری مسٹر طارق سلطان صاحب نے ان اطلاعات

کی تردید کی (وہی مغالطہ انگیز تردید) کہ تعلیمی اداروں کو نجی شعبوں کے حوالے کیا جا رہا ہے۔
"تاہم" انہوں نے بتایا کہ ۱۲ اہم کالجوں اور ۱۲ اسکولوں کو خود مختاری دی جائے گی۔
(اسی پہ بس نہیں) فرمایا: اس منصوبے پر مرحلہ وار عمل کیا جائے گا۔ اور اس میں کم از کم
ایک ڈویژن سے ایک ایک سکول اور کالج کو شامل کیا جائے گا۔ اب فارغ خطی مل رہی
ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور کو، کینئرڈ کالج لاہور کو، کالج فار ویمن لاہور، گورنمنٹ کالج
راولپنڈی کو، گورنمنٹ زمیندارہ کالج گجرات کو، گورنمنٹ کالج سرگودھا کو، گورنمنٹ
کالج برائے خواتین فیصل آباد کو، گورنمنٹ کالج ساہی وال کو، گورنمنٹ کالج ڈیرہ
غازی خاں کو، گورنمنٹ ایف سی کالج بہاول پور کو، گورنمنٹ کالج فار بوائز فیصل آباد کو،
اور مرے کالج سیالکوٹ کو۔ پھر اسکولوں کی لسٹ ہے۔ تو جناب اور کرائیے تردید۔

کاش کہ پنجاب ہی اختلافی یا اجتماعی آواز اٹھا سکتا — وزارت، اخبارات،
تعلیمی اکابر — مگر جنید و شبلی و عطار ہم مست! — کوئی آدمی بالائی حلقوں میں
ایسا نہیں جو جرأت سے اس آسیبی غلامی کے خلاف قوم کو چونکا سکے۔

افسوس کہ اس ملک میں آج جرأت مند، دیانت دار اور دانش ور لیڈر کسی دائرے
میں نہیں۔ کیا دلچسپ کھیل ہے کہ قوم الگ، اسمبلی الگ، وزیر اعظم الگ! وزیر اعظم
پوری قوم اور نسلوں کو متاثر کرنے والے فیصلے اور اقدام کر ڈالے اور نہ اسمبلی کو خبر ہو،
نہ قوم کے کانوں میں بھنک پڑے۔ سبحٰن اللہ! کیا ہی پُر اسرار جمہوریت ہے۔ یوں سمجھیے
کہ جمہوریت کی یخنی تیار کی جا رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ ذرا زہریلی ہے[1]

(باقی)

---

[1] یہ مضمون ایک ماہ پہلے لکھا گیا تھا۔

تخت اُلٹ گیا

رسالہ تکمیلی مرحلے میں ہے کہ یہ زلزلہ انگیز خبر آئی کہ قومی اسمبلی توڑ دی گئی ہے اور بیس۲۰ ماہ تک ایک دینی ہدایت کی پامالی جس طرح نسوانی حکومت کے وجود سے ہوئی، وہ بلا بھی ٹلی، اور جو عذاب معاشرے کے مختلف دائروں میں سر اُٹھا رہا تھا اس سے نجات پانے کے امکانات بھی پیدا ہوئے۔ معاشرے میں ایسے کسی واقعے کا انتظار تھا۔ دعا کرنی چاہیے کہ خدا اصلاح و برکت کا سامان کرے۔

قرآن نے عزت و اقتدار کے متعلق قدرت کے جو قوانین اور ماضی کے تاریخی نظائر ہمارے سامنے رکھے ہیں، نیز علومِ عقلیہ نے بھی ان میں سے بیشتر کی تائید کرتے ہوئے جو کچھ بتایا ہے وہ یہی ہے کہ جب کسی حکومت کے نظام میں خدمتِ عوام کا اصل مقصد دب جاتا ہے۔ ظلم اور خیانت اور تشدد کا زور ہو جاتا ہے تو ایسی کوئی بھی حکومت چل نہیں سکتی۔ قرآن نے ایک بڑا اُصول تو یہی بتایا کہ فَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (سورۃ رعد-۱۷) یعنی جو کوئی فرد یا ادارہ یا نظام یا حکومت انسانوں کی بھلائی کا سامان کرے، اُسے زمین میں ٹھیراؤ نصیب ہوتا ہے۔ آپ اگر ظلم اور خون خرابے اور لوٹ مار کے حالات کو جمہوریت کا جُبّہ پہنا دیں تو اس سے ظلم اور جرم کی تقدیر نہیں بدل جاتی۔ اس کے بالمقابل بسا اوقات بظاہر مغربی تصور کے لحاظ سے غیر جمہوری حکمران عبادت، عدل، احسان، فروغِ حیا، توسیعِ علم اور بلند ترین مسند پر بیٹھ کر انکسار اور محبتِ عوام کی ایسی مثالیں قائم کرتے ہیں کہ اُن کو نسبتاً زیادہ مہلتِ کار ملتی ہے۔

اب اس تبدیلی کے پیچھے صدر صاحب کے عزائم کتنے ہی اچھے ہوں، لیکن عبوری حکومتوں کو چلانے کے لیے کوئی اُونچے اسلامی اُصول یا درخشاں کردار رکھنے والے لوگ تو سامنے نہیں ہیں۔ لہٰذا کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ صدر صاحب نے اپنی تقریر میں سابق حکومت اور افرادِ حکومت کے متعلق جو سیاہ ریکارڈ بیان کیا ہے، اگر اس کا احتساب نہیں ہوتا تو قوم کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچے گا۔ جتوئی صاحب (عبوری وزیر اعظم) نے احتساب پر زور دیا ہے۔ دوسری بڑی چیز ہمارے سامنے یہ ہے کہ "لکھ لُٹ" بن کر سرکاری خزانے اور بنکوں پر جو ہاتھ مارے گئے تھے ان سب کا نوٹس لیا جا رہا ہے اور ناجائز اور نااہل لوگوں کو سیاسی بنیادوں

پر بھرتی کرنے کی جو افسوسناک حرکت کی گئی تھی، اس کی تلافی کی جا رہی ہے۔ اسی طرح کراچی اور سندھ کے خون خرابے کے طوفان کو روکنے کے لیے سابق حکومت کی متعین کردہ فوج کو دفعہ ۲۴۵ کے اختیارات دے کر عوام میں نئی امید پیدا کر دی گئی ہے۔

اس کے ساتھ اگر ممکن ہو تو یہ کام بھی ہونا چاہیے کہ جناب صلاح الدین ایڈیٹر تکبیر، جناب الطاف حسین قریشی اور جناب مجیب الرحمٰن شامی نے ماہر قانون خالد اسحٰق کے تعاون سے دستوری تقاضوں کے مطابق جن اصلاحات کا فیصلہ عدلیہ سے لیا تھا، سابق حکومت نے اسے اپنے لیے غیر مفید پا کر اپیل کر رکھی تھی۔ اگر اس اپیل کو واپس لے کر انہی انتخابی اصلاحات کے تحت اگلے انتخابات کرائے جائیں تو بہت اچھے نتائج نکلنے کی توقع ہے۔ بخصوصاً برطرف شدہ حکومت نے صوبائی نشستوں کے لیے ۳ ہزار روپے اور قومی نشستوں کے لیے ۵ ہزار روپے خرچ کرنے کی جو اجازت امیدواروں کو دی تھی، اُسے کالعدم قرار دے دیا جائے۔ یہ موقع اس تجربے کے لیے موزوں ہے کہ پیش آمدہ انتخابات متناسب نمائندگی کے اُصول کے تحت ہوں۔

آخری ضروری بات یہ کہ اسلام جو پاکستان کو جوڑنے کا اور قوم میں قوتِ ایمان و عمل اور اعلیٰ معیارِ اخلاق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، اس کی حقیقی خدمت کی راہیں نکالی جائیں۔ اوّل تو ضیاء الحق شہید کے دَور میں جو جو اقدام ہوئے ان کو مستحکم اور مؤثر بنایا جائے۔ خصوصیت سے ٹی وی کو اسلام اور اسلامی اخلاق و ثقافت کی پامالی سے روکا جائے۔ شریعت بل کے معاملے پر توجہ دی جائے۔ مگر شریعت کا نام سُن کر حدود و تعزیرات کے دائرے میں محدود ہو کر سوچنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اسلام کے تقاضے، تعلیم، معاش، ثقافت اور تہذیب کے دائرے میں بھی پورے کریں۔

بہت ہی اہم تقاضائے فرض یہ ہے کہ سانحہ بہاولپور میں صدر ضیاء الحق شہید کے ساتھ سازش کا نشکار ہونے والے ۳۰ افسروں کے بارے میں تحقیقات ازسرِ نو شروع کرنے کا اعلان کیا جائے۔ ایک خاص ضروری بات یہ کہ عبوری دَورِ حکومت کو ہر قسم کی جانب داری سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ بھی ظلم ہی کی ایک قسم ہے۔

ہماری رائے میں یہ وہ اقدامات ہیں جو حالیہ تبدیلی سے اچھے نتائج حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ (نعیم صدیقی)